اصحابِ صفہ (رضی اللہ عنہم)

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اسلام کے سنہرے باب کے چند تعلیمی اوراق ہیں جن کا سرورق اصحابِ صفہؓ سے شروع ہوتا ہے، درحقیقت یہ باب ’’وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ‘‘۔(آل عمران:۱۶۴) ’’اور وہ (نبی) ان کو کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں۔‘‘ اور ’’وإنما بعثت معلماً‘‘۔(سنن ابن ماجہ، مقدمۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ص:۲۱، ط: قدیمی) ’’اور اس کے سوا نہیں کہ مجھے تو بھیجا گیا ہے (دین) سکھلانے کے لیے۔‘‘ ...... کی عملی تفسیر ہے۔

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے شمال مشرقی جانب ایک سائبان کے سایہ میں چند نفوسِ قدسیہ تعلیم وتربیت پا رہے تھے، ان نفوسِ قدسیہ نے اپنی زندگی حصولِ علم ہی کے لیے وقف کر دی تھی، ان میں چند نفوس ایسے بھی تھے کہ کبھی کبھی دن کے کسی حصہ میں جنگل سے لکڑی لاکر فروخت کرتے اور گزر بسر کیا کرتے تھے۔ ان کے احوال وتعداد میں قدماء محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں امام حدیث ابونعیم اصبہانی اور امامِ حدیث ابوعبداللہ حاکم اور ابن الاعرابی اور سلمٰی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کی تعداد مختلف اوقات میں کل ملا کر چار سو تک پہنچتی ہے۔ ویسے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی تعلیمی ہی تھی اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی سب سے پہلے متعلم وشاگرد تھے، لیکن اسی تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ اکثر وبیشتر حضرات کے تجارت وزراعت وغیرہ کے مشاغل بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی اہم شخصیت کا ایک دور ایسا بھی گزرا کہ مدینہ سے باہر عوالیِ مدینہ میں ان کا قیام تھا اور بعدِ مسافت کے علاوہ معاشی مشغولیت کی وجہ سے روزانہ بارگاہِ نبوت کی حاضری سے معذور تھے، لیکن آپؓ نے اپنے ایک انصاری پڑوسی (غالباً ان کا نام اوس بن خولیؓ ہے) کے ساتھ یہ انتظام کیا ہوا تھا اور باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک دن وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا کریں اور جو وحی نبوت (قرآن کریم کی آیت) جدید اتری ہو یا کوئی اہم حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائیں تو وہ رات کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سنا دیا کریں اور ایک دن حضرت

عمر رضی اللہ عنہ یہی خدمت انجام دیا کریں، جس کی تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے۔

الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو روزانہ حاضری نہیں دے سکتے تھے وہ بھی حصول علم کے لیے پورا اہتمام وانتظام فرماتے تھے۔ لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے جن کی شب وروز کی زندگی اسی حصول علم کے لیے وقف تھی۔ اہل وعیال سے آزاد، نہ تجارت سے غرض، نہ زراعت سے مطلب، نہ اپنی معاش کی فکر، نہ اہل وعیال کی، یہ وہ اصحاب صفہؓ کی نفوسِ قدسیہ ہیں جن کی تعداد ایک ایک وقت میں ستر ستر تک بھی پہنچ جاتی تھی، انہی نفوسِ قدسیہ میں سے ستر وہ شہداء بیر معونہ ہیں جن کو کفار کے چند قبائل بنی لحیان ورعل وذکوان وغیرہ نے جو تعلیم دین اور تبلیغ اسلام کی غرض سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلم ومبلغ طلب کرنے آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرّاء کو اس دینی خدمت کے لیے بھیجا تھا، ان بدظن قبائل نے ان کو لے جا کر شہید کر ڈالا تھا، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ ہوا تھا اور نماز فجر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاءِ قنوتِ نازلہ پڑھنی شروع فرمادی تھی۔ انہی نفوسِ قدسیہ میں سے اس واقعۂ شہادت کے بعد ستر ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے جن کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ''صحیح بخاری'' میں قابل عبرت وبصیرت ہے:

''رأیت سبعین من أصحاب الصفة، مامنهم رجل علیه رداء، إما إزارو إماکساء قد ربطوافی أعناقهم، فمنها ما یبلغ نصف الساقین ومنها ما یبلغ الکعبین فیجمعه بیدہٖ کراهیة أن تریٰ عورته''۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب نوم الرجال فی المسجد، ج:۱،ص:۶۳، ط: قدیمی)

''میں نے ستر ایسے اصحاب صفہؓ کو دیکھا ہے جن میں سے کسی کے پاس (اوپر اوڑھنے کے لیے) چادر نہ تھی یا ان کے پاس صرف لنگی تھی یا (بدن ڈھانپنے کے لیے) ایک کمبلی جس کو انہوں نے گردن سے (نیچے تک) باندھا ہوا تھا، کوئی کملی تو ٹخنوں تک پہنچ جاتی، کوئی پنڈلیوں تک ہی پہنچتی، (رکوع سجدہ کے وقت) اس کو ہاتھ سے سنبھالے رہتے کہ (جسم کا) پوشیدہ حصہ نہ کھل جائے۔''

انہی نفوس قدسیہ میں سے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن پر بعض اوقات بھوک سے غشی کے دورے پڑا کرتے اور مسجد نبوی کے اندر منبرِ نبوی اور بیت الرسولؐ کے درمیان روضہ میں بے ہوش پڑے ہوتے اور عام حضرات کا گمان ہوتا کہ ان پر مرگی کا دورہ پڑا ہے، حالانکہ صرف بھوک کی شدت اور فاقوں کی کثرت سے ان پر اس قسم کی حالت طاری ہوتی تھی، خود انہی کے زبان سے صحیح بخاری میں یہ ساری تفصیل مذکور ہے۔ آخر اس جفاکشی اور اس اندازِ طالب علمی کے جو حیرت انگیز نتائج ہونے چاہیے تھے وہ امت کے سامنے آئے، خود انہی کے زبان سے ''صحیح بخاری'' میں مروی ہے:

''صحبتُ رسولَ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثلاث سنین فلم أکن فی سنی أحرص علی أن أعی الحدیث منی''۔ (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج:۱،ص:۵۰۷، ط: قدیمی)

''میں تین سال تک (ہمہ وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا، میں نے اپنی عمر میں اپنے

سے زیادہ حدیثوں کو یاد کرنے کا حریص (سرگرم شائق) اور کسی کو نہیں دیکھا۔''

اتنے مختصر عہد میں جو روایتیں مدونینِ کتب حدیث کو ان سے پہنچی ہیں، ان کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ نہ معلوم اور کتنی روایتیں ہوں گی جو مدونین کتب حدیث تک ان کے معیار کے مطابق نہ پہنچ سکیں جو یقیناً اس قدسی صحبت اور اس فنا فی العلم کے جذبہ کی برکات تھیں، چنانچہ پورے آٹھ سو صحابہؓ وتابعینؒ کو ان سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور دین کا بہت بڑا حصہ تنہا انہی کی روایات سے امت کو پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین اور منکرین حدیث مستغربین اور ان کے علاوہ اعداءِ اسلام کا سارا زور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر طعن وتشنیع اور عیب چینی پر صرف ہو رہا ہے۔ کہنا یہ ہے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر ان اصحاب صفہؓ کے فقر وافلاس کی حالت کو برداشت کیا گیا؟ اور ان کو فکر معاش کی طرف کیوں متوجہ نہیں کیا گیا؟ کیوں ان کو زراعت یا صنعت وحرفت کی طرف رغبت نہیں دلائی گئی؟ اور کیوں ان کے پیٹ بھرنے یا سدِ رمق کے لیے زکاۃ وصدقات کا انتظار کیا جاتا؟ اور جب انتہائی مجبوری کی نوبت آجاتی اور فاقوں پر فاقے پڑنے لگتے تو حضرت رسول اللہ ﷺ ہر ایک صحابیؓ کو اربابِ صفہؓ میں سے ایک ایک نفر کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے گھر لے جانے کا ارشاد فرماتے اور خود بھی دس دس افراد کو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے، اس لیے کہ ازواج مطہراتؓ کی تعداد ۹ تھی اور دسویں آپ ﷺ تھے، اس لحاظ سے گویا ''**طعام الواحد یکفی الإثنین**'' کے اصول پر جو حدیث مرفوع میں مذکور ہے (صحیح البخاری) خود بیوت نبی علیہ الصلاۃ والسلام میں عمل ہوتا تھا۔ یہ تو احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے شواہد وبینات ہیں، اب ذرا قرآن کریم کا ارشاد بھی سنیئے:

> ''اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُہُمْ بِسِیْمَاہُمْ لَا یَسْأَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً''۔ (البقرۃ:۲۷۳)
>
> ''وہ حاجت مند (تمہاری امداد واعانت کے مستحق ہیں) جو اللہ کی راہ میں (کسب معاش سے) روک دیئے گئے ہیں، وہ (روزی حاصل کرنے کے لیے) روئے زمین میں (کہیں) جا آ نہیں سکتے، ناواقف آدمی تو ان کے (سوال کرنے سے) بچنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتے ہیں (لیکن) تم ان کے فقر وافلاس کو ان کے چہرہ بشرہ سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے سوال ہی نہیں کرتے کہ (پیچھے پڑیں اور) اصرار کریں۔''

مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیتِ کریمہ انہی نفوس قدسیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کی زندگی کا مقصدِ وحید صرف تعلیم دین اور جہاد تھا۔

ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نہ صرف اس صورت حال کو قائم رکھا، بلکہ اس کی تعریف وتوصیف وحی متلو میں بھی فرمائی، کیا یہ واضح وصاف دلیل اس

www.banuri.edu.pk

کی نہیں ہے کہ امت میں کچھ افراد ایسے ہونے چاہئیں جن کی حیاتِ طیبہ کلی طور پر علم و دین کے لیے وقف ہوچکی ہو؟ اس مقدس مشغلہ کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ ہی نہ ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ کھائیں گے کہاں سے؟ اور ضروریات معاش پوری کیسے کریں گے؟ تو قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کے تعامل میں اس کا واضح جواب صرف یہی ملتا ہے کہ ان کی ضرورت کا تکفل اور خبر گیری امتِ محمدیہ کے ذمہ فرض ہے، وہ اپنے صدقات وخیرات اور زکاۃ سے ان کی خدمت کرے گی، اسی لیے علم دین میں مہارت وخصوصیت فرض کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں کہ ہر شخص کے بس کا یہ کام نہیں۔ اس کے بعد قابل غور یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے دو مقصد ہیں:

علم دین حاصل کرنے کا مقصد

۱:......خود اپنی تکمیل یعنی صاحب کمال بننا، اپنی دینی زندگی کو صلاح وتقویٰ سے آراستہ کرنا، تاکہ فلاح وسعادتِ دارین سے خود بہرہ ور ہوسکے۔

۲:......دوسروں کی خدمت کرنا اور ان کو سعادتِ دارین سے ہمکنار کرنا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اگر کوئی عالم دین اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریاتِ زندگی کے لیے محتاجِ کسب معاش ہے تو اسی معاش کے ذرائع اور صحیح وسائل اختیار کرنے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہئے۔ کیا اسلام کے انتہائی مجد وعروج کے دور میں کبار امت نے معاشی ذرائع اختیار نہیں کیے؟ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

علماء کے مناصب

اب رہا یہ کہ علماء دین کے وہ مناصب کیا ہیں جن کے ذریعہ وہ مسلمانوں کی دینی خدمت انجام دے سکیں؟ اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے وہ کون سے شعبے ہیں جو ان کے سپرد ہونے چاہئیں؟ اس سوال کا جواب بالکل صاف ہے کہ اسلام کے عروج کے دور میں انہی علماء میں سے حسب اہلیت علماء خلافت، حکومت، احتساب، قضاء، افتاء، خطابت، تبلیغ دین، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وغیرہ وغیرہ مناصب پر فائز تھے، جب کہ علوم اسلامیہ میں دین ودنیا کی تفریق نہ تھی اور ''رجال دین'' و''رجال دنیا'' کے درمیان کچھ زیادہ وسیع خلیج حائل نہ تھی اور نہ کوئی بنیادی تفاوت موجود تھا۔ دنیا کے تمام کام دین کی تعلیمات کی روشنی میں انجام پاتے تھے، لیکن اس دور میں بھی اگر مسلمان اپنے دین اسلام سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق نہ بنیں تو ان کے بچوں کے لیے تعلیم قرآن، ان کی مساجد کے لیے امام وخطیب و مؤذن، شب وروز کی زندگی میں پیش آنے والے معاملات میں شرعی احکام بتلانے کے لیے مفتیین اور علومِ دینیہ (قرآن وحدیث وفقہ) کی حفاظت کے لیے معاہدِ دینیہ ومدارس اسلامیہ میں تدریس کے مناصب تو اب بھی موجود ہیں، پھر علماء کی فکر معاش کا بہانہ بنا کر کیوں مدارس دینیہ کی مخالفت کی جاتی ہے؟

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

پاکستان کی دس کروڑ آبادی میں کل علماء وطلباءِ علم کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ نہیں، اگر مدارس اسلامیہ کی تعداد تقریباً ۲۰۰۰ ربھی ہو تو مساجد کی تعداد کم از کم ایک لاکھ ہے، اگر مسلمان اس امر کا عہد کرلیں کہ ہر مسجد کا امام وخطیب باقاعدہ مستند عالم ہوگا تو ان طلبہ وعلماء کی تعداد اس ایک ہی دینی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتی۔ درسِ قرآن وتعلیم اطفال وتعلیم قرآن (حفظ وناظرہ) نیز تدریسِ علوم دینیہ وافتاء یعنی مدرسین ومفتیین مدارسِ اسلامیہ کی ضرورت اس کے علاوہ رہے گی۔ آخر اس مروجہ دنیوی تعلیم کا مقصد تو یہی ہے تاکہ پیٹ کی پرورش ہوسکے اور حکومت کا دفتری نظام چل سکے، لیکن جس کثرت سے لڑکوں اور لڑکیوں کی عصری تعلیم کا ہیضہ ملک میں پھیل رہا ہے، کیا اس کی نسبت سے سرکاری عہدے اور منصب اتنے ہیں کہ سب کو جگہ دی جاسکے؟ پھر اس تعلیم کی اتنی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی جتنی علوم دینیہ اور علماء دین کی کی جارہی ہے؟ درحقیقت مسئلہ صرف دینی علماء وطلبہ کی معاش کا نہیں ہے، بلکہ دنیوی علوم کے فارغ التحصیل طلبہ کی معاش کا مسئلہ اس سے بدرجہا مشکل ہے۔

ایسی صورت میں بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جو افراد اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کی حفاظت کررہے ہیں اور امتِ محمدیہ کے لیے راہِ سعادت ونجات کو محفوظ کررہے ہیں ان کو تو بیکار اور عضو معطل سمجھا جارہا ہے اور جن افراد کا معاشرہ میں صرف یہی مقام ہے کہ اپنے پیٹ بھرنے کی فکر کریں اور حکومت کی مشنری کو چلائیں ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ فیاللعجب ویاللأسف!

اصل مشکل کا حل

دراصل اگر یہ علماءِ دین کی معاش کا مسئلہ کوئی مشکل ہے اور اس مشکل کو حل کرنا ضروری ہے تو اس کا حل صرف یہ ہے کہ حکومت کی وزارتِ تعلیم میٹرک تک کی تعلیم دینی اور دنیوی مشترک رکھے، بلکہ میٹرک تک کی تعلیم کی بنیاد دینی تعلیم پر ہو اور عربی زبان کی تعلیم وتدریس لازمی وضروری ہو، تاکہ ایک میٹرک پاس طالب علم بھی بقدرِ ضرورت دونوں شعبوں کی خدمات انجام دے سکے۔ درحقیقت یہ مشکل خود حکومت نے اور اس کے غلط نظامِ تعلیم نے بلکہ برطانوی عہد کے ملعون طریقۂ تعلیم نے پیدا کی ہے اور شومئِ قسمت سے آج تک اسی قے کو ہم چاٹ رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس معاملہ میں اگر قصور ہے تو صرف جدید نظامِ تعلیم کا ہے۔ اگر ابتدائی تعلیم سے لے کر میٹرک تک کی تعلیم میں علم دین کا وافر حصہ شامل کرلیا جائے، بلکہ زیادہ تر توجہ تعلیم دین پر ہی مرکوز ہو اور جدید حصہ پر توجہ ثانوی درجہ میں تو رجالِ دین او ررجالِ دنیا کی تفریق خود بخود ختم ہوجائے گی، جس نے اس ملک کے معاشرے پر بہت برا اثر ڈالا ہوا ہے اور تکلیف دہ خلیج حائل ہوگئی ہے، **أللّٰھم اھد قومی فإنھم لایعلمون۔**